سورۃ القیامۃ

آیاتہا ۴۰ ۔ ۷۵ سورۃ القیامۃ مکیۃ ۳۱ ۔ رکوعاتہا ۲

یہ سورت مکی ہے، اور اس کی انتالیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱ وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝۴ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶

''میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی (کہ حشر ہوگا)۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں کو۔ کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کے پور پور درست کر دیں، بلکہ انسان کی خواہش تو یہ ہے کہ آئندہ بھی بدکاریاں کرتا رہے۔ (از راہ تمسخر) وہ پوچھتا ہے قیامت کب آئے گی''۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ ایک قول یہ کیا گیا کہ لَا صلہ ہے زائد ہے اور سورت کے آغاز میں اس کا آغاز جائز ہے کیونکہ قرآن حکیم کا بعض، بعض سے متصل ہے۔ یہ کلام واحد کے حکم میں ہے اس وجہ سے کسی چیز کا ذکر ایک سورت میں ہوتا اور اس کا جواب دوسری سورت میں ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (الحجر) انہوں نے کہا: اے وہ جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے! بے شک تو تو مجنون ہے اس کا جواب ایک اور سورت میں ہے مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (القلم) آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں۔ کلام کا معنی ہے میں قیامت کے دن کی قسم اٹھاتا ہوں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن جبیر اور ابو عبیدہ نے کہا؛ اسی کی مثل شاعر کا قول ہے:

تذكّرتُ ليلَى فاعترتنِي صَبابةٌ ۔۔۔ فكاد صِمِيمُ القلبِ لا يَتقطّعُ

میں نے لیلی کو یاد کیا تو مجھے عشق لاحق ہوگیا تو قریب تھا کہ صمیم قلب ٹوٹ جاتا۔

ابولیث سمرقندی نے بیان کیا ہے کہ مفسرین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ لَآ اُقْسِمُ کا معنی ہے میں قسم اٹھاتا ہوں انہوں نے لَا کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا: لَا زینت کے لیے کلام میں زائد ہے کلام عرب میں لَا زائدہ استعمال ہوتا ہے جس طرح دوسری آیت میں ہے: قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (اعراف:12) فرمایا: کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا؟ یہاں ان اَلَّا تَسْجُدَ، ان تسجد کے معنی میں ہے بعض نے کہا: لَا ان کے کلام کا رد کرنے کے لیے ہے کیونکہ

انہوں نے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا فرمایا: جس طرح تم نے گمان کیا ہے معاملہ اس طرح نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ فراء کا قول ہے۔ فراء نے کہا: اکثر نحوی کہتے ہیں لَا صلہ ہے، یہ جائز نہیں کہ انکار سے شروع کیا جائے پھر اسے صلہ بنادیا جائے کیونکہ اگر یہ اس طرح ہو تو کوئی ایسی خبر معروف نہیں جس میں کسی اور خبر کا تو انکار ہو اس کا انکار نہ ہو لیکن قرآن حکیم اس اسلوب میں آیا ہے کہ جنہوں نے بعث، جنت اور آگ کا انکار کیا اس کا انکار کرتا ہے قسم ان کے رد کرنے کے ساتھ واقع ہوئی ہے۔ بہت سے مقامات میں اس سے کلام کا آغاز ہوا اور بہت سے مقامات میں اس سے آغاز نہیں ہوا، یہ عربوں کے اس قول کی مانند ہے: لا واللہ لا افعل۔ لَا کے ساتھ ان کے سابقہ کلام کا رد ہے یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: لا واللہ أنّ القیامۃ حق گویا تو نے ایسی قوم کو جھٹلایا ہے جنہوں نے اس چیز کا انکار کیا تھا۔ فراء کے علاوہ دوسرے علماء نے امراء القیس کا یہ شعر پڑھا ہے:

فلا وأبیك ابنةَ العامِریِّ لایدّعی القومُ أنّی أفِرّ

اے بنت عامری! تیرے باپ کی قسم قوم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ میں بھاگ جاؤں گا۔

اس کا فائدہ یہ ہے رد کرنے میں قسم کی تاکید کا باعث بنتا ہے۔ جو اس توجیہ کو نہیں جانتا وہ یوں قراءت کرتا ہے لاقسم گویا لام تاکید أُقْسِمُ فعل پر داخل ہے۔ یہ درست ہے کیونکہ عرب کہتے ہیں: لاقسم باللہ۔ میں اللہ کے نام کی قسم اٹھاتا ہوں؛ یہ حضرت حسن بصری، ابن کثیر، زہری اور ابن ہرمز کی قراءت ہے۔

بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ یعنی وہ دن جس میں لوگ اپنے رب کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس چیز کی چاہے قسم اٹھائے۔

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ اس میں قراء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی قسم اٹھائی ہے اس کی تعظیم بیان کرنے کے لیے اور نفس کی قسم نہیں اٹھائی۔ ابن کثیر کی قراءت کے مطابق پہلے کی قسم اٹھائی اور دوسری کی قسم نہیں اٹھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝** دوسرا رد ہے اور نفس لوامہ سے قسم کی ابتدا ہے۔ ثعلبی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ اکٹھے قسم اٹھائی۔ نفس لوامہ سے مراد مومن کا نفس ہے تو اسے نہیں دیکھے گا مگر وہ اپنی ذات کو ملامت کر رہا ہوگا۔ وہ کہے گا: میں نے اس سے کس چیز کا ارادہ کیا؟ تو اسے نہیں دیکھے گا مگر وہ اپنے آپ کو عتاب کر رہا ہوگا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حضرت حسن بصری اور دوسرے مفسرین کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! یہ مومن کا نفس ہے مومن کو نہیں دیکھا جاتا مگر وہ اپنے نفس کو ملامت کر رہا ہوتا ہے میں نے اپنی کلام سے کس چیز کا ارادہ کیا ہے؟ میں نے اپنے کھانے سے کس چیز کا ارادہ کیا ہے؟ میں نے ہم کلامی سے کس چیز کا ارادہ کیا ہے؟ جب کہ فاجر نفس کا محاسبہ نہیں کرتا۔

مجاہد نے کہا: وہ فوت ہونے والی چیز پر ملامت کرتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے اور برے کام پر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور اچھائی کے بارے میں کہتا ہے: تو نے زیادہ عمل کیوں نہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: لوامہ یہ نسبت کے معنی

میں ہے یعنی ملامت والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفس کو انہیں چیزوں پر ملامت کرتا ہے جس پر دوسرے نفوس کو ملامت کرتا ہے ان صورتوں میں لوامہ، لائم کے معنی میں ہوگا۔ یہ صفت مدح ہے اسی طریقہ پر یہ قسم اچھی ہو جائے گی۔

بعض تفاسیر میں ہے: حضرت آدم علیہ السلام ہمیشہ اس خطا پر اپنے آپ کو ملامت کرتے رہے تھے جس کی وجہ سے انہیں جنت سے نکالا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوامہ سے مراد ملامت کیا گیا؛ مذمت کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول مروی ہے: یہ صفت ذامہ ہے یہ اس کا قول ہے جو اس کے قسم ہونے کی نفی کرتا ہے کیونکہ نافرمان کی کوئی عظمت نہیں، جس کی وجہ سے اس کی قسم اٹھائی جائے وہ تو زیادہ ملامت کا مستحق ہوتا ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد کافر کی ذات ہے جو اپنے آپ کو ملامت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اس سے جو کوتاہی ہوتی ہے آخرت میں اس پر حسرت کا اظہار کرتی ہے۔ فراء نے کہا: کوئی نیک یا بد نفس نہیں مگر وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے نیک اپنے آپ کو اس امر پر ملامت کرتا ہے کہ اس نے زیادہ اعمال کیوں نہیں کیے اور گناہگار اس بنا پر ملامت کرتا ہے کہ وہ برائی کرنے سے کیوں نہیں رکا۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے اور اسے نئی صورت میں پیدا کر دیں گے جب کہ وہ ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں۔ زجاج نے کہا: یوم قیامت اور نفس لوامہ کی قسم اٹھائی جواب قسم یہ ہے لیجمعن العظام للبعث۔ وہ دوبارہ اٹھانے کے لیے ہڈیوں کو ضرور جمع کرے گا۔ ضحاک نے کہا: جواب قسم محذوف ہے یعنی تمہیں ضرور دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ یہاں انسان سے مراد کافر ہے جو بعث کا انکار کرتا ہے۔ یہ آیت عدی بن ربیعہ کے حق میں نازل ہوئی اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: مجھے قیامت کے بارے میں بتائیے وہ کب واقع ہوگی اور اس کا کیا معاملہ ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس بارے میں بتایا تو عدی نے کہا: اگر میں اس دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تو اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ میں تیری تصدیق کروں گا اور نہ اس پر ایمان لاؤں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں کو جمع کرے؟ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا کیا کرتے تھے: ''اے اللہ! میرے برے پڑوسی عدی بن ربیعہ اور اخنس بن شریق کے لیے کافی ہو جا''۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت اللہ کے دشمن ابو جہل کے حق میں نازل ہوئی جب اس نے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا۔ ہڈیوں کا ذکر کیا مراد اس کی پوری ذات ہے کیونکہ ہڈیاں انسان کا ڈھانچہ ہیں۔

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ حضرت حسن بصری نے بَلٰى پر وقف کیا پھر اگلے کلمہ سے ابتدا کی۔ سیبویہ نے کہا: اس کا معنی ہے ہم انہیں جمع کریں گے اس حال میں کہ قادر ہوں گے۔ قٰدِرِيْنَ یہ فعل میں جو ضمیر مضمر ہے اور فاعل ہے اس سے حال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی یہ ہے کیوں نہیں ہم قادر ہیں۔ فراء نے کہا: قٰدِرِيْنَ کو نصب نقدر اور نقوی فعل دے رہا ہے جو نجمع فعل سے سمجھا جا رہا ہے۔ یہ بھی کہا: تکریر کی وجہ سے نصب دینا بھی مناسب ہے تقدیر کلام یوں ہو گی بلی فلیحسبنا قادرین ایک قول یہ کیا گیا: مضمر فعل کنا ہے معنی یہ ہوگا ہم ابتدا میں ہی قادر تھے مشرکوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

ابن ابی عبلہ اور ابن سمیقع نے قادرون پڑھا ہے اس وقت تقدیر کلام یہ ہوگی نحن قادرون۔ عربوں کے ہاں بنان سے مراد انگلیاں ہیں اس کا احد بنانہ ہے۔ نابغہ نے کہا:

بِمُخَضَّبٍ رَخْصٍ كَأَنَّ بَنَانَهُ عَنَمٌ يَكَادُ مِنَ اللَّطَافَةِ يُعْقَدُ

اس شعر میں شاعر نے بنان سے مراد انگلیاں لی ہیں۔

عنترہ نے کہا:

وأَنَّ الموتَ طَوْعَ يدِي إذا ما وَصَلْتُ بَنَانَها بِالْهِنْدُوَانِ

اس شعر میں بھی بنان سے مراد انگلیاں ہیں۔

انگلیاں ذکر کر کے باقی اعضاء پر متنبہ کیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ چھوٹی ہڈیاں ہوتی ہیں اس وجہ سے ان کا خصوصی طور پر ذکر کیا۔ قتبی اور زجاج نے کہا: انہوں نے گمان کیا تھا اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا اور ہڈیاں جمع کرنے پر قادر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم انگلیوں کی ہڈیوں کو دوبارہ درست کر دیں جب کہ وہ بہت ہی چھوٹی ہیں اور انہیں مرکب کر دیں یہاں تک کہ وہ درست ہو جائیں جو ذات اس پر قادر ہے وہ بڑی ہڈیوں کو جمع کرنے پر زیادہ قادر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تمام مفسرین نے یہ کہا ہے: اس کا معنی ہے کہ ہم اس کے ہاتھ اور اس کے پاؤں کی ہڈیوں میں ایک چیز بنا دیں جس طرح اونٹ کا پاؤں ہوتا ہے یا گدھے کا کھر یا خنزیر کا کھر، تو اس کے لیے ممکن ہی نہ ہوتا کہ وہ ان کے ساتھ کوئی کام کر سکے لیکن ہم نے اس کی انگلیوں کو الگ الگ کر دیا تا کہ اس کے ساتھ جو چیز چاہے پکڑ لے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے انگلیاں بنائیں تو ان کو کھولتا ہے اور انہیں بند کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو جمع کر دیتا تو تو صرف اپنی ہتھیلی کے ساتھ زمین سے بچتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ہم انسان کو چوپاؤں کی صورت میں لوٹائیں تو جس صورت پر وہ ہے ہم کیسے اسے نہیں لوٹا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ (الواقعہ) اور ہم مغلوب نہیں۔ عَلَىٰٓ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَٰلَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِى مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (الواقعہ) (ہم عاجز نہیں) کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔ میں کہتا ہوں: سیاق کے حوالے سے پہلی تاویل زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَٰنُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُۥ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہاں انسان سے مراد کافر ہے جو آنے والے معاملات یعنی دوبارہ اٹھائے جانے اور حساب کا انکار کرتا ہے یہی عبد الرحمن بن زید نے کہا اس کی دلیل يَسْـَٔلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَٰمَةِ ۝ ہے یعنی وہ سوال کرتا ہے: وہ کب واقع ہوگی؟ وہ یہ بات انکار اور جھٹلانے کے انداز میں کرتا ہے وہ جھٹلانے پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اس کی وجہ سے گناہگار بھی ہوتا ہے۔ قتبی اور دوسرے علماء نے جو ذکر کیا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ فجور جھٹلانا ہے کہ ایک بدو نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قصد کیا اس نے آپ کی خدمت میں اونٹ کے نَقَب (پہلو پر زخم)

اور دَبَر (جانور کا زخم) کی شکایت کی اور یہ سوال کیا کہ انہیں ایک اونٹ دے دیا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اونٹ نہ دیا تو اس بدو نے کہا:

أَقْسَمَ بِاللّٰهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرْ مَامَسَّهَا مِنْ نَقَبٍ وَلَا دَبَرْ
فَاغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ فَجَرْ

ابو حفص عمر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا دی کہ اونٹ کو کوئی زخم نہیں۔ اے اللہ! اسے بخش دے اگر اس نے جھٹلایا ہے۔ یعنی جو میں نے کہا ہے اس کی اس نے تکذیب کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس کا معنی ہے وہ نافرمانی کرنے میں جلدی کرتا ہے اور توبہ میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہے۔ ایک حدیث میں: ''انہوں نے یہ کہا وہ کہتا ہے میں عنقریب توبہ کرلوں گا اور وہ توبہ نہیں کرتا۔ پس اس نے وعدہ خلافی کی اور جھوٹ بولا''۔ یہ مجاہد، حسن بصری، عکرمہ، سدی، سعید بن جبیر کا قول ہے وہ کہتا ہے: میں عنقریب توبہ کرلوں گا، میں عنقریب توبہ کرلوں گا یہاں تک کہ انتہائی بری حالت پر اسے موت آجاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہمیشہ برائی کا ہی عزم کیے رکھتا ہے اگرچہ وہ تھوڑی مدت تک زندہ رہتا ہے۔ ان تمام اقوال کی صورت میں امامہ کی ضمیر کا مرجع انسان ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضمیر قیامت کے لیے ہے معنی یہ ہے بلکہ انسان ارادہ رکھتا ہے کہ وہ قیامت سے پہلے حق کا انکار کرے فجور کا اصل معنی حق سے اعراض کرنا ہے یَسْـَٔلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ۝ وہ سوال کرتا ہے قیامت کب برپا ہوگی۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۝ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ اِ۟لْمُسْتَقَرُّ ۝ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ۝

''پھر جب آنکھ خیرہ ہو جائے گی اور چاند بے نور ہو جائے گا اور (بے نوری میں) سورج اور چاند یکساں ہو جائیں گے (اس روز) انسان کہے گا: بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ہرگز نہیں، وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانہ ہوگا۔ آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو اثرات اس نے پیچھے چھوڑے''۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ نافع اور ابان نے عاصم سے برق پڑھا ہے اس کا معنی ہے زیادہ کھلنے کی وجہ سے آنکھ کا چمکنا، تو اسے دیکھے گا وہ جھپکتی نہیں۔ مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: یہ موت کا وقت ہوگا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ قیامت کے روز ہوگا اس بارے میں کہا: یہ اس سوال کا جواب ہے جو انسان نے اس سے سوال کیا گویا یہ قیامت کے دن ہوگا۔

جبکہ باقی قراء نے بَرِقَ پڑھا ہے معنی ہے وہ متحیر ہو گئی وہ نہ جھکی؛ یہ ابو عمر، زجاج اور دوسرے علماء نے کہا۔ ذو رمہ نے کہا۔

فراء اور خلیل نے کہا بَرِقَ جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی گھبرانا، مبہوت ہونا اور حیران ہونا ہے عرب متحیر اور مبہوت انسان کے بارے میں کہتے ہیں: قد برق فھو برق۔ وہ متحیر ہوا اور وہ متحیر ہے۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

فَنَفْسَكَ فَانْعَ وَلَا تَنْعَنِي وَدَاوِ الْكُلُومَ وَلَا تَبْرِقَ

اپنے نفس کو موت کی خبر دے مجھے موت کی خبر نہ دے زخموں کا علاج کرو اور زخموں سے نہ گھبراؤ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: برق یبرق ماضی عین کلمہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے اس نے اپنی آنکھوں کو کھولا۔

ابو عبیدہ نے یہی کہا اور کلابی کا شعر پڑھا:

لَمَّا أَتَانِي ابْنُ عُمَيْرٍ رَاغِبًا أعطيتُه عِيسًا صِهَابًا فَبَرَقَ

جب ابن عمیر رغبت کرتے ہوئے میرے پاس آیا تو میں نے اسے بھورے رنگ کا اونٹ دیا تو اس نے اپنی دونوں آنکھیں کھول دیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَرِقَ۔ راء کے کسرہ اور فتحہ دونوں اس کی لغتیں ہیں اور دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۝ اس کا نور چلا گیا۔ دنیا میں تو اس کا خسوف (چاند گرہن) اس کی روشنی کے صاف ہونے تک ہوتا ہے جب کہ آخرت کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے کیونکہ اس کی روشنی واپس نہیں آتی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ غائب ہونے کے معنی میں ہو۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ (القصص: 81) ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ ابن ابی اسحاق، عیسیٰ اور اعرج نے وخسف القمر پڑھا ہے اس کے اوپر وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۝ دلالت کرتا ہے۔ ابو حاتم محمد ادریس نے کہا: جب اس کا بعض حصہ غائب ہو جائے تو وہ کسوف ہے اور جب اس کا کل غائب ہو جائے تو وہ خسوف ہے۔

وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۝ روشنی کے چلے جانے میں ان دونوں کو جمع کر دیا تو سورج کی کوئی روشنی نہ ہوگی جس طرح خسوف (چاند گرہن) کے بعد چاند کی کوئی روشنی نہیں ہوتی؛ یہ فراء اور زجاج کا قول ہے۔ فراء نے کہا: جمع کا صیغہ مونث ذکر نہیں کیا کیونکہ معنی ہے دونوں کو جمع کر دیا گیا۔ ابو عبیدہ نے کہا: مذکر کو غلبہ دینے کی بنا پر اسے مذکر ذکر کیا گیا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ معنی پر محمول ہے گویا کہا وجمع الضوءان۔ مبرد نے کہا: الشَّمْسُ مونث غیر حقیقی ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کی گئی ہے: ان دونوں کو جمع کیا گیا یعنی دونوں کو مغرب سے سیاہ و تاریک طلوع کرنے میں جمع کر دیا گیا، گویا وہ دونوں زخمی بیل ہیں۔ اس معنی کے موافق حدیث سورۃ الانعام کے آخر میں گزر چکی ہے۔ حضرت عبداللہ کی قراءت میں وجمع بین الشمس والقمر ہے۔

عطاء بن یسار نے کہا: قیامت کے روز ان دونوں کو جمع کیا جائے گا پھر دونوں کو سمندر میں پھینک دیا جائے گا تو وہ دونوں بڑی آگ ہو جائیں گے۔ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا: دونوں کو حجاب میں کر لیا جائے گا اور ان دونوں کو جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا کیونکہ دونوں کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی گئی۔ آگ ان دونوں کے لیے عذاب نہ ہوگی کیونکہ وہ دونوں جمادات میں سے ہیں اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے کرے گا تا کہ کافروں کو زیادہ شرمندہ

کرے اور انہیں حسرت دلائے۔ مسند ابی داؤد طیالسی میں ہے یزید رقاشی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''سورج اور چاند جہنم میں دو زخمی بیلوں کی طرح ہوں گے''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس جمع سے مراد یہ ہے کہ وہ دونوں جمع ہوں گے اور جدا نہ ہوں گے وہ لوگوں کے قریب قریب ہوں گے تو گرمی کی شدت سے انہیں پسینہ آئے گا گویا معنی یہ ہے ان دونوں کی گرمی ان پر جمع کر دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گا وہاں رات اور دن پے در پے نہیں آئیں گے۔

یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۝ انسان کہے گا: ایک قول یہ کیا گیا ہے ابو جہل کہے گا: بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ شاعر نے کہا:

أین المفرُّ والکِباشُ تَنتَطِحُ وأیُّ کَبْشٍ حاد عنها حین یَفْتَضِحُ

بھاگنے کی جگہ کہاں ہوگی جب کہ مینڈھے سینگ مار رہے ہوں گے اور کون سا مینڈھا اس سے کنارہ کش ہوگا جب وہ ذلیل ہوگیا۔

ماوردی نے کہا: یہ دو وجہوں کا احتمال رکھتا ہے: ایک احتمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتے ہوئے کہے گا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ جہنم سے بچنے کے لیے یہ قول کرے گا۔ انسان کے بارے میں بھی دو قول ہیں: (۱) خاص طور پر کافر یہ قول کرے گا جب قیامت کے روز اس کی پیشی کا مرحلہ ہوگا، کیونکہ مومن کو تو اپنے رب کی بشارت پر اعتماد ہوگا۔ (۲) قیامت کے برپا ہونے پر مومن اور کافر دونوں یہ قول کریں گے کیونکہ انہوں نے قیامت کی ہولناکی کو دیکھ لیا ہوگا۔

عام قرات المفر ہے: ابو عبیدہ اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، حضرت حسن بصری اور قتادہ نے فاء کے کسرہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح مَدَبّ اور مَدِبّ، مَصَحّ اور مَصِحّ۔ زہری نے میم کے کسرہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی۔ مہدوی نے کہا: یہ میم اور فاء دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے یہ مصدر ہے اور فراء کے معنی میں ہے: جس نے میم کو فتحہ اور فاء کو کسرہ دیا ہے تو اس سے مراد وہ جگہ ہے جس کی طرف وہ بھاگتا ہے۔ جس نے میم کو کسرہ اور فاء کو فتحہ دیا ہے تو اس سے مراد وہ انسان ہے جو اچھی طرح دوڑتا ہے معنی یہ ہوگا وہ عمدہ دوڑ لگانے والا انسان کہاں ہے اس کے باوجود وہ نجات نہیں پا سکے گا۔ میں کہتا ہوں: اس معنی میں امرء القیس کا شعر ہے:

مِکَرٍّ مِفَرٍّ مُقْبِلٍ مُدْبِرٍ مَعًا

وہ اچھی طرح پلٹ کر حملہ کرنے والا، عمدہ طریقہ سے بھاگ جانے والا، سامنے سے آنے والا، پیچھے سے آنے والا۔

کَلَّا لَا وَزَرَ ۝ یعنی کوئی جائے فرار نہیں۔ **کلا** کا لفظ رد کرنے کے لیے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے انسان کے قول کی حکایت نہیں پھر اس رد کرنے کی وضاحت کی، یعنی جہنم سے بچنے کی کوئی پناہ گاہ نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: معنی ہے کوئی قلعہ نہیں۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے: کوئی پہاڑ نہیں۔ حضرت ابن عباس کہا کرتے تھے: کوئی پناہ گاہ نہیں۔ حضرت ابن جبیر کہا کرتے تھے: کوئی پناہ گاہ اور بچنے کی جگہ نہیں۔ سب کا معنی اور مفہوم ایک ہی ہے۔ لغت میں وَزَر

سے مراد وہ چیز ہے جس کی پناہ لی جائے جیسے قلعہ، پہاڑ وغیرہ۔
شاعر نے کہا:

لَعَمْرِیْ ما لِلفتی مِن وَزَرٍ مِنَ الموتِ یُدْرِکُه والکِبَر

میری زندگی کی قسم! نوجوان کے لیے موت اور بڑھاپے سے کوئی بچنے کی صورت نہیں وہ ضرور اسے پہنچ کر رہے گی۔
سدی نے کہا: دنیا میں جب وہ خوف زدہ ہوتے تو وہ پہاڑوں میں پناہ لیا کرتے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: کوئی پناہ گاہ نہیں جو اس روز تمہیں مجھ سے بچا سکے۔ طرفہ نے کہا:

وَلَقَدْ تَعْلَمُ بَکْرٌ أَنَّنَا فاضِلُوا الرَّأْیِ وفِی الرَّوْعِ وَزَرٌ

بنو بکر جانتے ہیں کہ ہم اچھی رائے والے اور جنگ میں جائے پناہ ہوتے ہیں۔

اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ مستقر کا معنی منتہیٰ ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾ (النجم) اس کی انتہاء تیرے رب کے پاس ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا معنی ہے تیرے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آخرت میں قرار گاہ وہ ہوگی جہاں اللہ تعالیٰ اسے ٹھہرائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ان کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَلَّا یہ انسان کے قول کی حکایت ہے جو وہ اپنے بارے میں کہے گا جب وہ جان لے گا کہ اس کے لیے کوئی فرار کی جگہ نہیں تو وہ اس وقت اپنے آپ سے یہ کہے گا: كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾۔

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ﴿۱۳﴾ انسان نیک ہو یا بد اسے بتایا جائے گا جو اس نے برا یا اچھا عمل آگے بھیجا یا اچھی یا بری سنت پیچھے چھوڑی جس پر بعد میں عمل کیا جاتا رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ کہا: منصور نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ اس کے پہلے اور آخری عمل کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا؛ یہ امام نخعی کا نقطہ نظر ہے۔
حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا: اس نے معصیت میں سے جو چیز آگے بھیجی اور اطاعت میں سے جو پیچھے چھوڑی؛ یہ قتادہ کا بھی قول ہے۔

ابن زید نے کہا: بِمَا قَدَّمَ سے مراد اس کے وہ اموال ہیں جو اس نے اپنے لیے خرچ کیے اور اَخَّرَ سے مراد وہ مال ہے جو اس نے وارثوں کے لیے پیچھے چھوڑا۔ ضحاک نے کہا: اس نے جو فرائض آگے بھیجے اور جن فرائض کو موخر کیا اس بارے میں اسے آگاہ کیا جائے گا۔ قشیری نے کہا: یہ اطلاع اس وقت دی جائے گی جب قیامت کے روز اس کے اعمال کو لے جائیں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اطلاع موت کے وقت ہو۔

میں کہتا ہوں: پہلی تعبیر زیادہ بہتر ہے کیونکہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے زہری سے مروی حدیث ذکر کی ہے کہ ابو عبد اللہ اغر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مومن کو اس کی موت کے بعد بھی جو اعمال اور نیکیاں پہنچتی رہتی ہیں وہ ایسا علم ہے جس کی اس نے تعلیم دی اور اسے عام کیا، وہ نیک بچہ جسے وہ پیچھے چھوڑ کر آیا، ایسا قرآن

حکیم کا نسخہ جسے وہ پیچھے چھوڑ کر آیا، ایسی مسجد جس کو اس نے بنایا، ایسا مسافر خانہ جسے اس نے تعمیر کروایا، ایسی نہر جو اس نے جاری کی، ایسا صدقہ جو اس نے اپنے مال میں سے صحت اور زندگی میں نکالا تھا، یہ اعمال اسے موت کے بعد بھی پہنچتے رہیں گے''۔

ابونعیم نے اس معنی کی حدیث قتادہ سے انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سات اعمال ایسے ہیں جس کا اجر بندے کو اس کی موت کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے جب کہ وہ اپنی قبر میں ہوتا ہے جس نے کسی کو علم سکھایا، جس نے کوئی نہر جاری کی، کوئی کنواں کھودا، کوئی کھجور لگائی، کوئی مسجد بنائی، مصحف قرآن کسی کو ورثہ کے طور پر دیا یا ایسا بچہ چھوڑا جو اس کے حق میں مغفرت طلب کرتا ہے''(1)۔

حدیث طیبہ کے الفاظ بعد موته وهو فی قبره اس کی موت کے بعد جب کہ وہ قبر میں ہوتا ہے یہ اس بارے میں واضح بیان ہے کہ یہ موت کے وقت اطلاع نہیں دی جاتی ان سب کے بارے میں اس وقت اطلاع دی جاتی ہے جب اس کے اعمال کا وزن کیا جا رہا ہوتا ہے، اگرچہ قبر میں اسے ان چیزوں کی بشارت دی جا سکتی ہے؛ اس معنی و مفہوم پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: 13) اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھ کے ساتھ۔ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (النحل: 25) اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے جنہیں وہ گمراہ کرتے رہتے تھے جہالت سے۔ یہ آخرت میں اعمال کا وزن ہونے کے بعد ہوگا۔

صحیح میں ہے: ''جس نے اسلام میں کوئی اچھی سنت قائم کی تو اس کے لیے اپنا اجر اور اس کے بعد جو اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ہوگا جب کہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ شروع کیا تو اس پر اس کا اپنا بوجھ ہوگا اور اس کے بعد جو اس پر عمل کریں گے ان کا بوجھ ہوگا جب کہ عمل کرنے والوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہ کی جائے گی''(2)۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

''بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہانے بناتا رہے''۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ اخفش نے کہا: انسان کو خود اپنی ذات پر نظر رکھنے والا بنا دیا جس طرح تو خود کسی کو کہتا ہے: تو اپنی ذات پر دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بَصِيْرَةٌ کا معنی گواہ ہے، اس سے مراد ہے کہ اس کے اعضاء اس پر گواہی دیں گے ہاتھ گواہی دیں گے جس کو اس نے ان ہاتھوں سے پکڑا ہوگا، پاؤں گواہی دیں گے جن کے ساتھ وہ چل کر گیا تھا، آنکھیں گواہی دیں گی جن کے ساتھ اس نے دیکھا تھا۔ بَصِيْرَةٌ کا معنی گواہ ہے۔

فراء نے یہ شعر پڑھا:

كأنّ على ذى العقلِ عَيْنًا بصيرةً بِمَقْعَدِه أو مَنْظَرٍ هو ناظِرُهْ
يُحاذِرُ حتى يَحْسِبَ النّاسَ كلّهم من الخوفِ لا تَخْفَى عليهم سَرائِرُهْ

1۔ حلیۃ الاولیاء، جز 2، صفحہ 344
2۔ ریاض الصالحین، باب فیمن سنّ سنۃ حسنۃ

گویا دانش مند پر آنکھ گواہ ہے جہاں وہ بیٹھا اور جس منظر کو اس نے دیکھا وہ احتیاط کرتا ہے یہاں تک کہ خوف کی وجہ سے وہ تمام لوگوں کے بارے میں گمان کرتا ہے کہ ان پر اس کے راز مخفی نہیں۔

اس معنی پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ (النور) جس روز ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے قدم ان پر گواہی دیں گے جو وہ عمل کرتے رہے۔ بَصِيْرَةٌ کا لفظ مونث آیا ہے کیونکہ انسان سے یہاں اعضاء مراد ہیں کیونکہ اعضاء انسان پر گواہ ہیں گویا یہ فرمایا: اعضاء انسان کی ذات پر گواہ ہیں؛ یہی معنی قتبی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا۔ کچھ علماء کہتے ہیں: بَصِيْرَةٌ کے آخر میں جو ھاء ہے عرب اسے تانیث کہتے ہیں جس طرح ان کے اس قول میں ھاء مبالغہ کی ہے داهية، علامة، راوية۔ ابو عبید کا بھی یہی قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: بَصِيْرَةٌ سے مراد وہ دو کاتب ہیں جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں جو اچھا یا برا عمل اس سے واقع ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ۝ اس آدمی کے بارے میں جو معذرت کو پردہ بناتا ہے؛ یہ سدی اور ضحاک کا قول ہے۔ ایک مفسر نے کہا: اس کا معنی ہے بلکہ انسان پر اس کی ذات میں سے ایک گواہ ہے تو الْاِنْسَانُ سے پہلے حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بَصِيْرَةٌ کا لفظ اسم مونث کی صفت ہو تو تقدیر کلام یوں ہو گی بل الانسان علی نفسه عین بصیرة؛ فراء نے بھی یہ شعر پڑھا:

كأنّ على ذي العقلِ عيناً بصيرةً

حضرت حسن بصری نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہ معنی کیا ہے کہ وہ دوسروں کے عیوب دیکھتا ہے اور اپنے عیوب سے جاہل رہتا ہے۔ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ۝ یعنی اگرچہ اپنے پردے لٹکائے۔ اہل یمن کی لغت میں معذار کا معنی پردہ ہے؛ ضحاک نے یہی کہا ہے۔ شاعر نے کہا:

ولكنها ضَنَّتْ بمنزلِ ساعةٍ علينا وأَطَّتْ فَوْقَهَا بالمَعَاذِرِ

لیکن اس نے ہم پر گھڑی بھر قیام سے بخل کیا اور اپنے اوپر پردے لٹکا لیے۔

زجاج نے کہا: معاذر کا معنی پردے ہیں اس کی واحد معذار ہے اگرچہ وہ اپنا پردہ ڈال دے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے عمل کو چھپا لے تو اس کا نفس اس پر گواہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے اگرچہ وہ معذرت کرے اور کہے میں نے کچھ بھی نہیں کیا تو اس کے اعضاء اس پر گواہ ہوں گے وہ اگر معذرت کرے اور اپنے بارے میں جھگڑے تو اس پر ایسا گواہ ہو گا جو اس کے عذر کو جھٹلائے گا: یہ مجاہد، قتادہ، سعید بن جبیر، عبدالرحمن بن زید، ابو العالیہ، عطاء، فراء اور سدی کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: اگر وہ دلیل یا عذر پیش کرے تو وہ اسے کچھ نفع نہ دے گا، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ (غافر: 52) اس روز ظالمین کو ان کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ۝ (المرسلات) انہیں کوئی اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کریں اس صورت میں معاذیر، عذر سے ماخوذ ہو گا: شاعر کا قول ہے:

وإياكَ والأمرَ الذي إنْ تَوسَّعتْ مَوارِدُهُ ضاقتْ عليكَ المصادِرُ

اس امر سے بچ جس پر وارد ہونے کے راستے تو وسیع ہوں اور اس سے نکلنے کے راستے تنگ ہوں۔

فما حَسنٌ أن يَعْذِرَ المرءُ نفسَهُ وليس له مِن سائرِ الناسِ عاذر

یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ انسان اپنے آپ کو معذور سمجھے اور لوگوں میں سے کوئی بھی اسے معذور نہ جانے۔

ایک آدمی نے حضرت ابراہیم نخعی کی خدمت میں معذرت پیش کی تو حضرت ابراہیم نخعی نے اسے فرمایا: میں نے تجھے معذرت پیش کرنے والے کے بغیر ہی معذور جانا، بے شک معزرتوں میں جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ کا معنی ہے اگر چہ وہ کپڑے اتار دے؛ ماوردی نے یہی بیان کیا۔

میں کہتا ہوں: زیادہ نمایاں معنی دلیل پیش کرنا اور گناہ سے معذرت کرنا ہے۔ اس معنی میں نابغہ کا قول ہے۔

ها إنّ ذِي عِذْرَةٌ إلّا تكنْ نَفعتْ فإنّ صاحِبَها مُشارِكُ النَّكَدِ

لو یہ معذرت اگر نفع نہ دے تو معذرت کرنے والا محرومی میں شریک ہے۔

اس پر دلیل کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ (الانعام) اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے! ہم مشرک نہ تھے۔ اور منافقوں کے بارے میں فرمایا: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ (المجادلہ: 18) جس روز اللہ تعالیٰ سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے اسی طرح قسمیں اٹھائیں گے جس طرح وہ تمہارے سامنے قسمیں اٹھاتے ہیں۔ صحیح میں ہے: ''وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں تجھ پر، تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر ایمان لایا، میں نے نمازیں پڑھیں، میں نے روزے رکھے اور میں نے صدقہ کیا اور جس قدر ہو سکے گا وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے گا''۔ حم سجدہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکا ہے۔ معاذیر اور معاذر، معذرۃ کی جمع ہے اس کا باب اس طرح چلتا ہے عذرتہ، أعذرہ عُذْرا وعُذُرا۔ اس کا اسم معذرۃ اور عزری آتا ہے؛ شاعر نے کہا:

إنِّي حُدِدْتُ ولا عُذْرَى لِمَحْدُودِ

مجھے محدود کر دیا گیا ہے جب کہ محدود کے لیے کوئی معذرت نہیں ہوتی، اسی طرح عذرۃ کا لفظ ہے یہ رکبۃ اور جلسۃ کی طرح ہے۔

اس آیت میں پانچ مسائل ہیں:

آدمی کی گواہی اس کے اپنے خلاف قبول کی جائے گی

مسئلہ نمبر1۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝ میں اس امر پر دلیل ہے کہ آدمی اپنی ذات کے خلاف قبول کیا جائے گا کیونکہ یہ اس کی جانب سے اپنی ذات پر گواہی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النور) اس

روز ان کے خلاف ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو وہ عمل کرتے رہے تھے۔

ایک فقہی مسئلہ کی وضاحت

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا: وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ (آل عمران) یاد کرو اس وقت کو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ لیا جو میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی پھر تمہارے پاس ایسا رسول آئے جو اس چیز کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر پختہ وعدہ کر لیا، انہوں نے کہا: ہم نے اقرار کر لیا فرمایا: گواہ ہو جاؤ، بے شک ہم تمہارے ساتھ گواہ ہیں۔

پھر فرمایا: وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا (توبہ: 102) دوسروں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا انہوں نے اچھے اور برے عمل کو ملا دیا۔ احادیث میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے انیس! اس کی بیوی کی طرف جاؤ اگر وہ اعتراف کرے تو اسے رجم کر دو''۔ جہاں تک ایک آدمی کا دوسرے کے بارے میں وارث ہونے یا قرض کا اقرار کرنے کا تعلق ہے تو امام مالک نے کہا: ہمارے نزدیک جس امر پر اتفاق ہے کہ ایک آدمی فوت ہو جائے اس کے بیٹے ہوں تو ان بیٹوں میں سے ایک کہے کہ میرے باپ نے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ فلاں اس کا بیٹا ہے تو نسب ایک آدمی کی گواہی سے ثابت نہیں ہوگا اور جس نے اقرار کیا اس کا اقرار صرف اس کے حصہ میں جاری ہوگا جو حصہ اسے اس کے باپ کے مال میں ملے گا۔ جس کے حق میں اس نے اقرار کیا اسے ہر اقرار کرنے والے کے مال سے جتنا حصہ مل سکتا تھا وہ دے دے گا۔ امام مالک نے فرمایا: اس کی وضاحت یہ ہے ایک آدمی فوت ہو جاتا ہے وہ دو بیٹے چھوڑتا ہے اور چھ سو دینار چھوڑتا ہے پھر ان میں سے ایک گواہی دیتا ہے کہ اس کے فوت ہو جانے والے باپ نے اقرار کیا تھا کہ فلاں اس کا بیٹا ہے تو جس کے حق میں اس نے گواہی دی تو اسے ایک سو دینار دے گا یہ اس میراث کا نصف ہے اگر اسے لاحق کر لیا جائے اگر دوسرا بھی اس کا اقرار کرے تو دوسرا سو دینار بھی وہ لے گا اس کا حق مکمل ہو جائے گا اور اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے کہ ایک عورت اپنے والد یا اپنے خاوند پر قرض کا اقرار کرتی ہے جبکہ دوسرے وارث اس کا انکار کرتے ہیں تو اس عورت پر اتنا مال لازم ہو جائے گا جتنا مال اس کے ذمہ لازم ہوتا اگر سب وارث اس قرض کا اقرار کرتے اگر بیوی ہو تو وہ آٹھویں حصہ کی وارث ہوگی تو وہ قرض خواہ کو آٹھواں حصہ دے گی، اگر وہ بیٹی ہو تو وہ نصف کی وارث ہوگی تو وہ قرض خواہ کو نصف قرض دے گی۔ اسی حساب سے اسے مال دیا جائے گا جن عورتوں نے بھی اس کے قرض کا اقرار کیا۔

اقرار کی مختلف صورتیں

مسئلہ نمبر 3۔ اقرار مکلف کا ہی ثابت ہوگا لیکن شرط یہ ہے وہ مجور نہ ہو اگر وہ مجور اپنے حق کا اقرار کرے تو اس کا قول حجر کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا اگر مجور غیر کے حق کا اقرار کرتا ہے جیسے مریض۔ ان میں سے کچھ اقرار ساقط ہو جاتے ہیں اور کچھ

جائز ہو جاتے ہیں۔ مسائل فقہ میں اس کی وضاحت یہ ہے: اقرار میں بندے کی دو حالتیں ہیں (۱) ابتدائی، متقدمہ صورت میں کوئی اختلاف نہیں (۲) انتہائی، اس کی صورت یہ ہے کہ اقرار مبہم ہے اس کی بہت سی صورتیں ہیں۔ بنیادی چھ صورتیں ہیں۔

(۱) وہ کہے: میرے پاس اس کی امانت ہے۔ امام شافعی نے کہا: اگرچہ وہ ایک کھجور یا ایک ٹکڑے سے اس کی تفسیر بیان کر دے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ ہمارے اصول جس چیز کا تقاضا کرتے ہیں کہ اس کی وضاحت تسلیم نہ کی جائے مگر جس کی قدر و منزلت ہو جب وہ اس کی تفسیر بیان کرے تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اس سے قسم لی جائے گی۔

(۲) وہ اقرار کی تفسیر شراب اور خنزیر کی صورت میں کرے یا اس چیز کے ساتھ تفسیر بیان کرے جو شریعت میں مال ہی نہ ہو تو بالاتفاق اس کو قبول نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ اس کی تائید کرے جس کے حق میں اقرار کیا گیا۔

(۳) ایسی چیز کے ساتھ اس کی تفسیر بیان کرے جس میں اختلاف کیا گیا ہو جس طرح مردار کی جلد، کھاد، کتا۔ حاکم اس بارے میں فیصلہ کر دے گا جس کو مناسب سمجھے گا رد کرے یا نافذ کر دے۔ اگر وہ حاکم اس کو رد کر دے تو کوئی اور حاکم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا کیونکہ پہلے حاکم کے پاس باطل کرنے سے حکم نافذ ہو چکا ہے۔ امام شافعی کے بعض اصحاب نے فرمایا: شراب اور خنزیر لازم ہوگا۔ یہ باطل قول ہے۔

امام ابوحنیفہ نے ارشاد فرمایا: جب اس نے کہا مجھ پر کچھ چیز لازم ہے تو اس کی تفسیر کیلی اور وزنی کے بغیر قبول نہ کی جائے گی کیونکہ انسان کے ذمہ میں یہی چیزیں لازم ہوتی ہیں۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ ذمہ میں ان کے علاوہ بھی چیزیں ثابت ہو جاتی ہیں جب وہ واجب کرے اس پر اجماع ہے۔

(۴) جب اس نے کہا: میرے پاس فلاں کی امانت ہے تو اس کی تفسیر اس چیز کے ساتھ بھی قبول کر لی جائے گی جو عادت میں مال نہ ہو جس طرح ایک یا دو درہم، جب تک کوئی ایسا قرینہ نہ پائے جس کی وجہ سے اس کے زیادہ پر حکم لگایا جائے۔

(۵) وہ کہے: میرے پاس فلاں کا کثیر مال ہے یا عظیم مال ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس کی تفسیر حبہ کے ساتھ کرے تو اس کی بات مانی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: زکوٰۃ کے نصاب سے کم میں اس کی تفسیر قبول نہ کی جائے گی۔

ہمارے علماء نے اس بارے میں مختلف قول کیے ہیں۔ ان میں چوری کا نصاب، زکوٰۃ کا نصاب اور دیت کا نصاب۔ میرے نزدیک سب سے کم چوری کا نصاب ہے کیونکہ مسلمان کا عضو عظیم مال میں ہی جدا کیا جا سکتا ہے۔ احناف میں سے کثیر کی رائے یہی ہے۔ جو تعجب کر سکتا ہے تو وہ لیث بن سعد پر تعجب کا اظہار کرے وہ کہتے ہیں کہ بہتر درہم سے کم میں اس کی تفسیر قبول نہ کی جائے گی۔ ان سے پوچھا گیا: یہ تعداد آپ نے کہاں سے اخذ کی؟ تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ (توبہ:25) اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات اور غزوہ حنین کے موقع پر مدد فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور سرایا کی تعداد بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ (الاحزاب) ارشاد فرمایا: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ (نساء:114) ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں اور فرمایا: وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝ (الاحزاب) اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑی لعنت کی۔

(۲) جب اقرار کرنے والا کہے: میرے پاس دس، سو اور ہزار ہیں تو وہ جو چاہے تفسیر بیان کرے اس کا قول قبول کر لیا جائے گا؛ امام شافعی کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: اگر مبہم عدد پر کیلی یا وزنی چیز کا عطف کیا تو یہ اس کی تفسیر ہوگا جس طرح وہ کہے: مائة وخمسون درهما۔ ڈیڑھ سو درہم۔ کیونکہ درہم پچاس کی تفسیر ہے اور پچاس سو کی تفسیر ہے۔ ابن خیران اصطخری جو امام شافعی کے اصحاب میں سے ہیں نے کہا: درہم صرف پچاس کی تفسیر ہے اور سو کی جس چیز کے ساتھ چاہے تفسیر بیان کرے۔

زانی کے زنا کے اقرار کرنے کے بعد معذرت کرنا

مسئلہ نمبر 4۔ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۞ اس کا معنی ہے اگر اقرار کے بعد معذرت کرے تو اس کی معذرت قبول نہ کی جائے گی۔ علماء نے اس آدمی کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس نے ایسی حد میں اقرار کے بعد رجوع کیا جو خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اکثر نے کہا جن میں امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ بھی ہیں: اقرار کے بعد اس کا رجوع قبول کیا جائے گا۔ امام مالک کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔ امام مالک کا دوسرا قول ہے: اس کا رجوع قبول نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ رجوع کی صحیح وجہ بیان کرے۔ صحیح یہ ہے کہ رجوع مطلق جائز ہے کیونکہ ائمہ نے روایت نقل کی ہے جن میں امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ بھی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار دفعہ زنا کے اقرار کرنے والے کا رد کیا ہر دفعہ آپ اس سے اعراض کر لیتے تھے جب اس نے چار دفعہ اقرار کر لیا تو آپ نے اسے بلایا فرمایا: ''تو مجنون ہے؟'' عرض کی: نہیں۔ فرمایا: ''کیا تو شادی شدہ ہے؟'' عرض کی: جی ہاں۔ بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''شاید تو نے بوسہ لیا ہو، اشارہ کیا یا نظر بازی کی ہو؟'' سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں ہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پانچویں دفعہ فرمایا: ''کیا تو نے اس عورت سے جماع کیا ہے؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ''یہاں تک کہ تیری شرمگاہ اس کی شرمگاہ میں غائب ہوگئی؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ''جس طرح سرمچو سرمہ دانی میں اور رسی کنوئیں میں غائب ہو جاتی ہے''۔ اس نے عرض کی: جی ہاں۔ پھر پوچھا: ''کیا تو جانتا ہے زنا کیا ہے؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں۔ میں نے اس کے ساتھ حرام فعل کا ارتکاب کیا جس طرح ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ حلال فعل کرتا ہے۔ پوچھا: ''تو مجھ سے کس چیز کا ارادہ رکھتا ہے؟'' اس نے عرض کی: میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کر دیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اسے رجم کر دیا گیا (1)۔

امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے یہ ذکر کیا: جب اسے پتھر لگے تو وہ دوڑ پڑا تو ایک آدمی نے اسے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی ماری تو لوگوں نے اسے پتھر مارے تو وہ مر گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا'' (2)۔ امام ابو داؤد اور امام نسائی نے کہا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب چھان کر لیتے جہاں تک حد کے ترک کرنے کا معاملہ ہے وہ مقصود نہ تھا (3)۔ یہ سب رجوع کے طریقے اور اس کے رجوع کو قبول کرنے کی وضاحت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں: ''شاید

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک، حدیث نمبر 3843، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک، حدیث نمبر 3836، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک، حدیث نمبر 3835، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تو نے بوسہ لیا ہو یا اشارہ کیا ہو"۔ امام مالک کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ وہ رجوع کو قبول کر لیتے جب وہ کوئی وجہ ذکر کرتا۔

غلام کے اقرار کی صورتحال

مسئلہ نمبر 5۔ یہ آزاد اور اپنی ذات کے مالک کا معاملہ ہے جہاں تک غلام کا تعلق ہے تو اس کا اقرار دو قسموں میں سے ایک قسم سے خالی نہیں ہوتا، وہ اس چیز کا اقرار کرے جس کی سزا اس کی ذات پر واقع ہو یا ایسی چیز کا اقرار کرے جس کا اثر اس چیز پر واقع ہو جو اس کے ہاتھ میں ہے یا اس کے ذمہ میں ہے۔ اگر وہ ایسی چیز کا اقرار کرے جس کا اثر اس کی ذات پر پڑتا ہو جس میں اس کا قتل لازم کرتا ہو یا اس سے کم سزا واقع ہوتی ہو تو اس پر نافذ ہو جائے گی۔ امام محمد بن حسن نے کہا: یہ اقرار اس سے قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ اس کا بدن آقا کے حق میں مستغرق ہے اس کے اقرار میں ان کے حقوق کا اتلاف ہے جو آقا کے اس کے بدن میں واقع ہیں۔ ہماری دلیل سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے ان گندی چیزوں میں کوئی چیز پائی تو وہ اس پر پردہ ڈالے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا ہے جس نے ہمارے لیے اس امر کو ظاہر کیا تو ہم اس پر حد قائم کر دیں گے"۔ اس کا معنی یہ ہے عقوبت کا محل انسان کی ذات ہے وہ انسان کے ذمہ ہے آقا کا اس میں کوئی حق نہیں آقا کا حق وصف اور تبع میں ہے وہ مالی حق ہے جو اس پر لازم ہوتا ہے، کیا تو نہیں دیکھتا اگر غلام کسی مال کا اقرار کرتا تو اسے قبول نہ کیا جاتا یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر غلام یہ اقرار کرے میں نے یہ مال چوری کیا ہے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مال وہ آدمی لے لے گا جس کے حق میں غلام نے اقرار کیا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: سامان آقا کا ہوگا اور جب غلام آزاد ہوگا تو اس کی قیمت کا مطالبہ غلام سے کیا جائے گا کیونکہ غلام کا مال آقا کا ہوتا ہے اس پر اجماع ہے اس میں غلام کا قول اور اقرار قبول نہ کیا جائے گا خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: غلام کی کوئی ملکیت نہیں اس کا مالک بننا صحیح نہیں وہ مالک نہیں بنے گا۔ ہم اگرچہ یہ کہتے ہیں اس کا مالک بننا صحیح ہے لیکن اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ آقا کا ہوتا ہے، دونوں قولوں کے اعتبار سے یہی اجماع ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾

"اے حبیب! آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو، ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کو پڑھانا۔ پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسی پڑھنے کا۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کو کھول کر بیان کر دینا۔ ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم محبت کرتے ہو جلدی ملنے والی (نعمت) سے اور چھوڑ رکھا ہے تم نے آخرت کو"۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ امام ترمذی، سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن حکیم نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھتے وقت زبان ہلاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ہوتا

کہ اسے یاد کرلیں تو اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے ہونٹوں کو ہلاتے اور سفیان نے بھی اپنے ہونٹ ہلائے۔ ابوعیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام مسلم، ابن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے مشقت اٹھاتے آپ اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں ہونٹوں کو اس طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونٹوں کو حرکت دیا کرتے تھے۔ سعید بن جبیر نے کہا: میں دونوں ہونٹوں کو اس طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح حضرت ابن عباس حرکت دیا کرتے تھے تو انہوں نے دونوں ہونٹوں کو حرکت دی، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں جمع کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پڑھیں جب ہم اسے پڑھیں تو اس کو سنیں اور خاموش رہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا جب جبریل علیہ السلام آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے جب وہ چلے جاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اسی طرح پڑھتے جس طرح جبریل امین نے پڑھایا ہوتا۔ اسے امام بخاری نے بھی نقل کیا ہے، اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ (طٰہٰ: 114) وحی کے مکمل ہونے سے پہلے پڑھنے میں جلدی نہ کریں۔

عامر شعبی نے کہا: جب قرآن حکیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا تو قرآن کی محبت اور زبان میں اس کی مٹھاس پانے کی وجہ سے جلدی کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منع کر دیا گیا یہاں تک وحی جمع ہو جائے کیونکہ اس کا بعض بعض کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو اس کے بھول جانے کے خوف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان کو حرکت دیتے تو یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ (طٰہٰ: 114) سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ﴿۶﴾ (الاعلیٰ) ہم تمہیں پڑھائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بھولیں گے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ آپ اس کو پڑھنے کے لیے زبان کو حرکت نہ دیجئے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے(1)۔ قُرْاٰنَهٗ کا معنی ہے اس کا تجھ پر پڑھنا۔ فراء کے قول میں قراءت اور قرآن دونوں مصدر ہیں۔ قتادہ نے کہا: فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ یعنی اس کے شرائع اور احکام کی پیروی کریں۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ اس میں حدود، حلال وحرام کے احکام کی وضاحت ہمارے ذمہ ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں جو وعدہ وعید ہے اس کو بیان کرنا اور ان کو ثابت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اسے تیری زبان سے بیان کریں۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ابوجہل قرآن کی تفسیر اور اس کے بیان پر ایمان نہیں لائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نماز نہیں پڑھیں گے اور زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ اس سے مراد کفار مکہ ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 498

اے اہل مکہ کے کفار! تم دنیاوی زندگی سے محبت کرتے ہو اور تم آخرت کے لیے عمل کرنے کو ترک کرتے ہو۔ ایک تفسیر میں ہے آخرت سے مراد جنت ہے۔ اہل مدینہ اور کوفہ کے قراء نے تُحِبُّوْنَ اور تَذَرُوْنَ کو تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے بھی اسی قراءت کو پسند کیا ہے اور کہا: اگر ان قراء کی مخالفت مکروہ نہ ہوتی تو میں انہیں یاء کے ساتھ پڑھتا کیونکہ اس سے پہلے انسان کا ذکر ہے باقی قراء نے دونوں کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ خبر دی جارہی ہے؛ یہ ابو حاتم کی پسندیدہ قراءت ہے۔ جس نے اسے ینبؤا الانسان پر محمول کرتے ہوئے یاء کے ساتھ پڑھا ہے تو اس میں الانسان لوگوں کے معنی میں ہے۔ جس نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے تو اس نے اس کلام کو اس امر پر محمول کیا ہے کہ شرمندہ کرنے کے لیے ان سے گفتگو کی کیونکہ یہ مقصود میں زیادہ بلیغ ہے اس کی مثل یہ ارشاد ہے: اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ (دہر) بے شک وہ دنیا کو پسند کرتے ہیں اور قیامت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝

"کئی چہرے اس روز تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہوگا"۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ پہلا نضرہ سے مشتق ہے جس کا معنی حسن اور تر و تازگی ہے۔ دوسرا نظر سے مشتق ہے یعنی مومنوں کے چہرے روشن، خوبصورت اور تر و تازہ ہوں گے۔ یہ باب ذکر کیا جاتا ہے نضرھم اللہ ینضرھم نَضْرَةً و نَضَارَةً اس سے مراد روشن ہونا، آسودگی ہونا اور غنی ہونا ہے۔ اس معنی میں یہ حدیث طیبہ ہے: نَضَّرَ اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا (1) اللہ تعالیٰ اس آدمی کو خوش و خرم رکھے جس نے میری گفتگو سنی اور اسے یاد رکھا۔ رب سے مراد خالق و مالک ہے۔ ناظرۃ یعنی اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے؛ یہی جمہور علماء کا نقطہ نظر ہے۔ اس بارے میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث ہے جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے جو سورۂ یونس میں لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (26) میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جنتیوں میں سے سب سے معزز وہ شخص ہوگا جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی (2)۔

یزید نحوی نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے: ان کے چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں نظر بمعنی انتظار ہے یعنی وہ اس ثواب کا انتظار کر رہے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے ہوگا؛ یہ حضرت ابن عمر اور مجاہد سے مروی ہے، عکرمہ نے کہا: وہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ماوردی نے حضرت ابن عمر اور عکرمہ سے بھی روایت نقل کی ہے؛ یہ صرف مجاہد سے مروی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَا تُدْرِكُهُ

1۔ اربعین نووی

2۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب تفسیر قولہ وجوہ یومئذ ناضرۃ

الْاَبْصَارُ ۫ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام:103) سے استدلال کیا ہے، یعنی آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کر لیتا ہے۔ یہ قول بہت کمزور ہے آیت، احادیث کے ظاہر سے خارج ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنتیوں میں سے سب سے کم مرتبہ جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغات، بیویوں، خادموں اور پلنگوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھ لے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے معزز وہ شخص ہوگا جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا'' (1)۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب کہ انہوں نے اسے مرفوع نقل نہیں کیا۔

صحیح مسلم میں ابو بکر بن عبد اللہ بن قیس، اپنے باپ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ''دو جنتیں ہیں ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے وہ چاندی کے ہوں گے اور دو جنتیں ہیں جن کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ سونے کے ہوں گے۔ جنت عدن میں جنتیوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کبریائی کی رداء کے سوا کوئی چیز حائل نہ ہوگی'' (2)۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کو چاند کی طرف دیکھا فرمایا: ''تم اپنے رب کو یوں عیاں دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو تم پر اس کی رؤیت میں ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اگر تم طاقت رکھو کہ تم سورج کے طلوع اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے والی نماز میں مغلوب نہ ہو تو ایسا کرو'' پھر اس آیت وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ (ق) سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے پہلے تم اپنے رب کی نماز پڑھو، تلاوت کی۔ متفق علیہ: اسے ابو داؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے (3)۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابو داؤد نے رزین عقیلی سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم میں سے ہر ایک اپنے رب کا دیدار کرے گا؟ حضرت ابن معاذ نے کہا: قیامت کے روز تنہا تنہا دیکھے گا؟ فرمایا: ''ہاں اے ابا رزین!'' پوچھا: مخلوق میں سے اس کی کیا صورت ہے؟ فرمایا: ''اے ابا رزین! کیا تم میں سے ہر کوئی چاند کو نہیں دیکھتا''۔ حضرت ابن معاذ نے کہا: چودھویں رات کو تنہا تنہا۔ ہم نے عرض کی: کیوں نہیں۔ کہا: ''اللہ تعالیٰ سب سے عظیم ہے''۔ ابن معاذ نے کہا فرمایا: ''چاند تو اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عظیم و برتر ہے'' (4)۔

سنن نسائی میں حضرت صہیب رومی سے مروی ہے: حجاب ہٹا دیا جائے گا جنتی اسے دیکھیں گے اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کچھ عطا کیا ہوگا دیدار سے بڑھ کر کوئی چیز ان کے لیے زیادہ محبوب اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث نہ ہوگی۔

ابو اسحاق ثعلبی کی تفسیر میں زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہمارا رب عزوجل جلوہ افروز ہوگا یہاں تک کہ جنتی اس کا دیدار کریں گے وہ اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ ارشاد

1۔ درمنثور، جلد 6، تحت زیر آیت ہذہ
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان باب اثبات رؤیۃ المومنین فی الآخرۃ ربہم سبحانہ و تعالیٰ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی الرویۃ، حدیث نمبر 4104، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ سنن ابن ماجہ، ابواب فی فضائل اصحاب الرسول، باب فیما انکرت الجہمیۃ، حدیث نمبر 172، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فرمائے گا: اپنے سر اٹھالو یہ عبادت کا وقت نہیں''۔ ثعلبی نے کہا: مجاہد کا قول کہ وہ اپنے رب کی جانب سے ثواب کے منتظر ہوں گے اور مخلوقات میں سے کوئی اس کا دیدار نہیں کرے گا تو یہ محل نظر تاویل ہے کیونکہ عرب جب نظر کو انتظار کے معنی میں استعمال کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: نظرته جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ (الزخرف:66) وہ صرف قیامت کا انتظار کرتے ہیں۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ (الاعراف:53) کافر کس چیز کے منتظر ہیں یہ کہ قرآن کی دھمکی کا انجام کیا ہوتا ہے: مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً (یاسین:49) وہ ایک ہی چیخ کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب اس سے تفکر اور تدبر کا ارادہ ہو تو اس وقت وہ کہتے ہیں: نظرت فيه مگر جب یہ الفاظ الی یا دجہ کے ذکر کے ساتھ ملا ہو تو اس وقت یہ دیکھنے کے معنی میں ہوگا۔

ازہری نے کہا: مجاہد کا قول کہ وہ اپنے رب کے ثواب کا انتظار کرتے ہوں گے غلط ہے کیونکہ یہ نہیں کہا جاتا نظرالی کذا کہ اس نے اس کا انتظار کیا۔ کسی کا یہ کہنا: نظرت الی فلاں یہ آنکھ سے دیکھنا ہی ہوتا ہے عرب بھی اسی طرح کہتے ہیں جب وہ آنکھ سے دیکھنے کا ارادہ کریں تو وہ کہتے ہیں: نظرت اليه جب وہ انتظار کا ارادہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں: نظرته؛ شاعر نے کہا:

فَاِنَّكُمَا اِنْ تَنْظُرَانِيْ ساعةً مِنَ الدَّهْرِ تَنْفَعْنِيْ لَدَى اُمِّ جُنْدُبِ

اگر تم مجھے ایک ساعت مہلت دیتے تو وہ ساعت مجھے ام جندب کے ہاں نفع دیتی۔

جب اس نے انتظار کا ارادہ کیا تو اس نے تنظران کہا اور تنظران الی نہیں کہا: اگر وہ آنکھ سے دیکھنا مراد لیں تو وہ کہتے ہیں: نظرت اليه؛ شاعر نے کہا:

نظرتُ اِليها والنُّجومُ كاَنَّها مَصابِيحُ رُهبانٍ تُشَبُّ لِقُفَّالِ

میں نے اسے دیکھا جب کہ ستارے گویا راہبوں کے چراغ ہیں جو پلٹنے والوں کے لیے روشن کیے گئے۔

ایک شاعر نے کہا:

نظرتُ اِليها بالْمُحصَّبِ مِنْ مِنىً ولِى نَظَرٌ لولا التَّحَرُّجُ عارِمُ

میں نے منیٰ سے اس کی طرف دیکھا جو محصب میں تھی اگر گناہ نہ ہوتا تو میری نظر بدخلق ہوتی۔

ایک اور شاعر نے کہا:

اِنِّي اِليكَ لِمَا وَعَدْتَ لَنَاظِرٌ نَظَرَ الْفَقِيْرِ اِلى الغنِى المُوسِرِ

میں تیرے وعدہ کی طرف اس طرح دیکھنے والا تھا جس طرح محتاج خوشحال کی طرف دیکھتا ہے۔

یعنی میں تیری طرف عاجزی کی نظر سے دیکھ رہا تھا کیونکہ خشوع وخضوع کی نظر مسئول کے دل کو زیادہ نرم کر دیتی ہے۔

جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے کہ انہوں نے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام:103) آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرتیں جبکہ وہ آنکھوں کا احاطہ کر لیتا ہے، یہ دنیا میں ہوگا اس کے بارے میں گفتگو اس کے محل میں مفصل گزر چکی ہے۔ عطیہ عوفی نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اس کی عظمت کی وجہ سے لوگوں کی آنکھیں اس کا احاطہ نہ کر سکیں گی اور اللہ تعالیٰ کی نظر ان کا احاطہ کرے گی؛ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ دلالت کرتا

ہے۔ قشیری ابونصر نے کہا: الی کی جگہ الآلاء ہے یعنی اس کی نعمتوں کا انتظار ہوگا۔ یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ الآلا کا واحد الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے یاء کے ساتھ نہیں لکھا جاتا پھر الآلاء اس کی ان نعمتوں کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو دور کرنے والی ہوں جب کہ وہ جنت میں اپنی ذاتوں سے ناراضگی کے دور کرنے کا انتظار نہیں کررہے ہوں گے۔ جو آدمی کسی چیز کا انتظار کرتا ہے اس کی زندگی پریشان کن ہوتی ہے جنتیوں کی یہ صفت بیان نہیں کی جاتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں نظر کو وجہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (البقرہ:25) اس کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ پانی نہر میں چلتا ہے نہ کہ نہر چلتی ہے۔ بعض اوقات وجہ، آنکھ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا (یوسف:93) تم اسے میرے باپ کی آنکھوں پر ڈال دو وہ روشن ہو جائیں گی۔ قیامت کے روز قانون کو بدل دینا کوئی بعید نہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کا فعل چہرے میں پیدا کردے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى (الملک:22) کیا وہ جو منہ کے بل چلتا ہے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ عرض کی گئی: یارسول اللہ! وہ آگ میں منہ کے بل کیسے چلیں گے؟ فرمایا: "جو ذات انہیں قدموں پر چلانے پر قادر ہے وہ انہیں منہ کے بل بھی چلانے پر قادر ہے" (1)۔

وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ۙ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ؕ یعنی کفار کے چہرے قیامت کے روز تیوری چڑھے ترش ہوں گے۔ صحاح میں ہے بسر الفحل الناقۃ وابتسرھا یعنی نر اونٹ، اونٹنی کی خواہش کے بغیر اس پر جا پڑا۔ وبسر الرجل وجهه بسورا آدمی نے تیوری چڑھائی۔ کہا جاتا ہے: عَبَسَ وَ بَسَرَ۔ سدی نے کہا: بَاسِرَةٌ یعنی بدلے ہوئے معنی ایک ہی ہے۔ انہیں یقین ہوگا کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک کیا جائے گا۔ فَاقِرَةٌ سے مراد بڑی مصیبت اور عظیم امر ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فقرته الفاقرۃ مصیبت نے اس کی کمر توڑ دی؛ مجاہد اور دوسرے علماء نے یہی معنی بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: فَاقِرَةٌ کا مطلب مصیبت ہے۔ سدی نے کہا: ہلاکت ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن زید نے کہا: آگ میں داخل ہونا ہے۔ سب معانی قریب قریب ہے۔ اصل اس کا معنی ہے اونٹ کی ناک پر لوہے یا آگ سے ایسا نشان لگانا جو ہڈی تک جا پہنچے؛ یہ اصمعی نے کہا۔ کہا جاتا ہے: فقرت أنف البعير۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو لوہے سے اس کی ناک میں سوراخ کرے پھر سوراخ کی جگہ چمڑے سے بنی رسی ڈالے جس پر کمان کی تان لپٹی ہوئی ہوتا کہ اس کے ساتھ تو اونٹ کو مطیع کرے۔ اسی معنی میں ان کا قول ہے: قد عمل به الفاقرۃ اس کے ساتھ کمر توڑ سلوک کیا گیا۔

نابغہ نے کہا:

وضَرْبَةُ فَأْسٍ فوقَ رأسِیَ فَاقِرَةْ

میرے سر پر کلہاڑے کی ایسی ضرب لگائی جو ہڈی توڑنے والی تھی۔

كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ۙ﴿۲۶﴾ وَ قِیْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ۙ﴿۲۷﴾ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۙ﴿۲۸﴾ وَ الْتَفَّتِ

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ بنی اسرائیل، حدیث نمبر 3067، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اَلسَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ ۝

''ہاں ہاں جب جان پہنچے گی ہنسلی تک اور کہا جائے گا کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا اور (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ جدائی کی گھڑی آ پہنچی، اور لپٹ جاتی ہے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے، اس دن آپ کے رب کی طرف کوچ ہوتا ہے''۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ كَلَّآ جھڑکنے کے لیے ہے، یعنی یہ بات حقیقت سے بہت دور ہے کہ کافر روز قیامت پر ایمان لائے۔ پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا اور فرمایا: جب نفس یا روح ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ جائے جس نفس کا ذکر جاری نہیں تھا اس کی خبر دی کیونکہ مخاطب کو اس کا علم تھا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ (ص) یہاں تک کہ وہ حجاب میں چھپ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ (الواقعہ) پس تم کیوں نہیں لوٹا دیتے جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے؟ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَلَّآ کا معنی حقا ہے معنی یہ بات ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی جانا ہے یعنی نفس جب ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: جب کافر کا نفس ہنسلی کی ہڈی تک جا پہنچے۔ تراقی، ترقوہ کی جمع ہے ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو اونٹ ذبح کرنے کی جگہ جمع ہوتی ہیں یہ سینہ سے اوپر اور حلق کے ابتدائی حصہ میں ہوتی ہیں، یہی گھنگرو کی جگہ ہے۔ درید بن صمہ نے کہا:

وَرُبَّ عَظِيمَةٍ دَافَعْتَ عَنْهُمْ　　وَقَدْ بَلَغَتْ نُفُوسُهُمُ التَّرَاقِي

کتنی ہی عظیم مصیبتیں ہیں جن کو تو نے ان سے دور کیا جب کہ ان کے نفوس ہنسلی کی ہڈی کو پہنچے ہوئے تھے۔

جو آدمی موت کے وقت کو پہنچ چکا ہو اس کے لیے کنایہ کے طور پر نفس کے ہنسلی کی ہڈی تک پہنچنے سے تعبیر کرتے ہیں، مقصود یہ ہے کہ انہیں موت کے آنے کے وقت سختی کو یاد کرایا جائے۔

وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝ اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رقیہ سے مشتق ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ ضحاک نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ من یرقی کا معنی ہے ایسا طبیب جو شفا دے۔ میمون بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے معنی ہے کوئی طبیب ہے جو اس کو شفا دے؛ یہ ابو قلابہ اور قتادہ نے کہا؛ شاعر نے کہا:

هَلْ لِلْفَتَى مِنْ بَنَاتِ الدَّهْرِ مِنْ وَاقِ　　أَمْ هَلْ لَهُ مِنْ حِمَامِ الْمَوْتِ مِنْ رَاقِ

کیا نوجوان کو مصائب سے بچانے والی کوئی چیز ہے، کیا اسے موت سے شفا دینے والا کوئی طبیب ہے۔

یہ بات وہ مایوسی کے طور پر کریں گے۔ یعنی وہ کون ہے جو موت سے شفا دے؟ حضرت ابن عباس اور ابو جوزاء سے مروی ہے۔ یہ رقی، یرقی سے مشتق ہے جب وہ بلند ہو معنی ہے کون اس کی روح آسمان کی طرف لے جائے گا؟ کیا رحمت کے فرشتے لے جائیں گے یا عذاب کے فرشتے لے جائیں گے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ موت کا فرشتہ کہے گا: اس کی روح کو کون لے جائے گا؟ اس کی وجہ یہ ہے کافر کا نفس ملائکہ کے قرب کو ناپسند کرتا ہے تو موت کا فرشتہ کہے گا: اے فلاں! اسے لے جا۔ عاصم

اور ایک جماعت نے من راق میں نون کو اظہار کے ساتھ پڑھا ہے اور بَلْ ٞ رَانَ (المطففین: 14) میں لام کو اظہار کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ یہ مراق کے مشابہ نہ ہو جس کا معنی شوربہ بیچنے والا ہے اور بران کے مشابہ نہ ہو جائے جو برکا تثنیہ ہے صحیح اظہار کو چھوڑنا ہے۔ مَنْ ٞ رَاقٍ میں قاف کا کسرہ اور بَلْ ٞ رَانَ میں نون کا فتحہ التباس کو زائل کرنے کے لیے کافی ہے۔ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ مَنْ اور بَلْ پر وقف کا قصد کرے اور ان میں اظہار کرے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔

وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ انسان یقین کرلے گا کہ یہ دنیا، اہل، مال اور اولاد کے فراق کا وقت ہے یہ اس وقت ہوگا جب وہ فرشتوں کو دیکھ لے گا؛ شاعر نے کہا:

فراقٌ لیس یُشْبِهُهُ فِرَاقٌ قد انقطع الرجاءُ عن التَّلَاقِ

ایسا فراق جس کی مثل کوئی فراق نہیں جس میں ملاقات کی امید ختم ہو چکی ہے۔

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ ایک شدت دوسری شدت کے ساتھ مل چکی ہے یعنی دنیا کے آخر کی شدت، آخرت کے آغاز کی شدت کے ساتھ مل چکی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ امام شعبی اور دوسرے علماء نے فرمایا: موت کے وقت شدت تکلیف سے انسان کی دونوں پنڈلیاں لپٹ گئیں۔ قتادہ نے کہا: کیا تو نے نہیں دیکھا جب وہ موت کے قریب پہنچتا ہے تو وہ اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر مارتا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب اور حضرت حسن بصری نے کہا: یہ انسان کی دو پنڈلیاں ہیں جب انہیں کفن میں لپیٹ دیا جائے۔ زید بن اسلم نے کہا: کفن کی پنڈلی میت کی پنڈلی کے ساتھ لپٹ گئی۔ حضرت حسن بصری نے یہ بھی کہا: اس کے دونوں پاؤں مر گئے، اس کی دونوں پنڈلیاں سوکھ گئیں پس وہ اسے نہیں اٹھاتیں جب کہ وہ ان پر خوب گھومتا تھا۔ نحاس نے کہا: پہلا قول ان میں سے سب سے حسین ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ کی یہ تفسیر نقل کی ہے کہ دنیا کا آخری دن آخرت کے پہلے دن کے ساتھ لپٹ گیا تو ایک شدت دوسری شدت سے مل گئی مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے یعنی موت کی کرب کی شدت مطلع کی ہولناکی کی شدت سے مل گئی اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ مجاہد نے کہا: معنی ہے ایک مصیبت دوسری مصیبت سے مل گئی۔ وہ کہتے: اس پر شدائد پے در پے ہو گئیں۔ ضحاک اور ابن زید نے کہا: اس پر دو شدید امر جمع ہو گئے، لوگ اس کے جسم کو تیار کرتے ہیں اور فرشتے اس کی روح کو تیار کرتے ہیں۔

عرب ساق کا لفظ بڑی مصیبت کے لیے استعمال کرتے ہیں اس معنی میں ان کا قول ہے: قامت الدنیا علی ساق، قامت الحرب علی ساق دنیا بڑی مصیبت پر کھڑی ہے، جنگ بڑی مصیبت پر کھڑی ہے۔ شاعر نے کہا:

قَامَتِ الحربُ بنا علی ساقٍ جنگ نے ہمیں بڑی مصیبت پر کھڑا کر دیا ہے۔

یہی معنی سورۂ قلم کے آخر میں گزر چکا ہے۔ ایک قوم نے کہا: کافر کو اس وقت عذاب دیا جاتا ہے جب اس کی روح جسم سے نکلتی ہے یہ پہلی مصیبت ہے پھر اس کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی مصیبت ہوگی۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ رب سے مراد خالق ہے۔ يَوْمَىِٕذٍ سے مراد یوم قیامت ہے۔ مساق سے مراد لوٹنا ہے۔

ایک تفسیر میں ہے: وہ فرشتہ جو اس کی برائیاں لکھا کرتا تھا وہ اسے ہانکے گا۔ مساق یہ ساق، یسوق سے مصدر ہے جس طرح مقال یہ قال، یقول کا مصدر ہے(1)۔

فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾

''(اتنی فہمائش کے باوجود) نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور اس سے منہ پھیر لیا، پھر گیا گھر کی طرف نخرے کرتا ہوا۔ تیری خرابی آ لگی اب آ لگی پھر تیری خرابی آ لگی اب آ لگی''۔

فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ ابوجہل نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے جو سورت کے آغاز میں ہے وہ اسم جنس ہے۔ پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے یعنی اس نے رسالت کی تصدیق نہ کی اور نہ اپنے رب سے دعا کی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا۔ قتادہ نے کہا: نہ کتاب اللہ کی تصدیق کی اور نہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نماز پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہ اپنے مال کا صدقہ دیا تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذخیرہ ہو جائے اور نہ ہی وہ نمازیں پڑھیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہ اپنے دل سے ایمان لایا اور نہ اپنے بدن سے عمل کیا۔ کسائی نے کہا: لَا، لم کے معنی میں ہے لیکن اسے غیر کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جاتا ہے عرب کہتے ہیں: لا عبد اللہ خارج ولا فلاں، نہ عبد اللہ نکلا نہ کوئی اور، تو یہ نہیں کہہ سکتا: مررت برجل لا محسن یہاں تک کہ تو ساتھ یہ نہ کہے ولا مجمل میں ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرا جو نہ محسن ہے نہ مجمل۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: **فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾** (البلد) وہ اس انداز کا نہیں کیونکہ اس کا معنی ہے کیا وہ عقبہ (مشقت) میں داخل نہیں ہوا۔ الف استفہام کو حذف کر دیا گیا۔ اخفش نے کہا: **فَلَا صَدَّقَ** کا معنی ہے اس نے تصدیق نہ کی جس طرح فلا اقتحم ہے وہ داخل نہ ہوا۔ اس میں دوسری شی کو پیچھے لانا شرط نہیں۔ عرب کہتے ہیں: لا ذھب وہ نہ گیا۔ حرف نفی ماضی کی نفی کرتا ہے جس طرح مستقبل کی نفی کرتا ہے؛ اس معنی میں زہیر کا قول ہے:

فَلَا هُوَ أَبْدَاهَا وَلَمْ يَتَقَدَّمِ	نہ اس نے اسے ظاہر کیا اور نہ خود آگے بڑھا۔

وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اس نے قرآن کو جھٹلایا اور ایمان سے روگردانی کی۔ پھر وہ اس پر فخر کرتے ہوئے تکبر کے انداز میں اپنے گھر چلا گیا؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ابوجہل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مطا سے مشتق ہے جس کا معنی پشت ہے معنی ہے وہ اپنی پشت کو دہرا کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اصل یتمطط ہے یعنی سستی کا اظہار کرنا اور بوجھل ہونا ہے وہ حق کی طرف دعوت دینے والے سے بوجھل ہوتے ہیں، اس کی ایک طاء کو یاء سے بدل دیا کیونکہ ایک ہی جنس کے حرف ہونا ناپسندیدہ تھا۔ تمطی یہ پرواہ نہ کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ تمدد سے بھی یہی مراد ہے گویا وہ تکبر کی وجہ سے اپنی پشت کو پھیلاتا ہے اور اسے دہرا کرتا ہے۔ مطیطہ، حوض کے نیچے گاڑھے پانی کو کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے: ''جب میری امت کمریں دہری کر کے چلے گی ایرانی اور رومی اس کے خدمت گزار ہو

1۔ تفسیر رازی، سورۂ قیامہ، تفسیر کبیر، جز 30، صفحہ 232

جائیں گے تو اس کی آپس میں جنگ شروع ہو جائے گی"(1)۔ مطیطاء سے مراد تکبر کرنا اور چلتے وقت ہاتھوں کو پھیلانا ہے۔

اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ﴿۳۵﴾ دھمکی کے بعد دھمکی ہے، وعید کے بعد وعید ہے۔ یہ چار چیزوں پر چار وعیدیں ہیں۔ جس طرح روایت کی گئی ہے یہ ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے رب سے جاہل تھا یعنی اس نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق نہ کی، میرے سامنے کھڑا نہ ہوا کہ نماز پڑھتا بلکہ اس نے میرے رسول کی تکذیب کی اور میرے سامنے نماز پڑھنے سے روگردانی کی۔ تصدیق کو چھوڑنا ایک خصلت ہے، جھٹلانا ایک خصلت ہے، نماز چھوڑنا ایک خصلت ہے، اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنا ایک خصلت ہے چار چیزوں کو چھوڑنے کی وجہ سے چار وعیدیں آئیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

یہ نہ کہا جائے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ پانچویں خصلت ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں: یہ خصلت جھٹلانے اور اعراض کرنے سے پہلے بھی موجود تھی تو اس کے بارے میں خبر دی۔ یہ قتادہ کے قول میں واضح ہے جس طرح ہم [illegible] آئے۔

ایک قول یہ کیا گیا: رسول اللہ ﷺ ایک روز مسجد سے نکلے تو مسجد کے دروازے پر آپ ﷺ کو ابو جہل ملا جو بنی مخزوم کے دروازے کے ساتھ تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑا اسے ایک یا دو دفعہ جھٹکا دیا پھر فرمایا: اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ابو جہل نے آپ ﷺ سے کہا: کیا تو مجھے دھمکاتا ہے؟ اللہ کی قسم! میں اس وادی کے مکینوں میں سے سب سے زیادہ معزز و محترم ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ابو جہل سے فرمایا تھا اس اسلوب میں آیت نازل ہوئی، یہ دھمکی کے کلمات ہیں شاعر نے کہا:

فَاَوْلَی ثم اَوْلَی ثم اَوْلَی هَلْ لِلدَّرِّ يُحْلَبُ من مَرَدّ

ہلاکت ہو، ہلاکت ہو پھر ہلاکت ہو، کیا دودھ کو بار بار دوہا جا سکتا ہے۔

قتادہ نے کہا: ابو جہل تکبر کرتے ہوئے آیا نبی کریم ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑا فرمایا: اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ﴿۳۵﴾ اس نے کہا: تو اور تیرا رب مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے میں ان دو پہاڑوں کے درمیان سب سے معزز ہوں۔ جب بدر کا دن آیا تو وہ مسلمانوں کے قریب ہوا کہا: آج کے بعد اللہ تعالیٰ کی کبھی بھی عبادت نہ کی جائے گی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا اور وہ برے طریقے سے قتل ہوا(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تیرے لیے ہلاکت ہے؛ اسی بارے میں حضرت خنساء کا شعر ہے:

هَمَمْتُ بنفسیَ كُلَّ الهُمُومِ فَاَوْلَی لِنَفْسِیَ اَوْلَی لَهَا
سَاَحْمِلُ نفسی علی آلةٍ فإمَّا عليها و إمَّا لَهَا

میں نے اپنے بارے میں ہر قسم کا ارادہ کیا میرے نفس کے لیے ہلاکت ہے اس کے لیے ہلاکت ہے۔ میں اپنے نفس کو ایسی حالت پر مجبور کروں گی، وہ حالت اس کے خلاف ہو گی یا اس کے حق میں ہو گی۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی النهی عن سب الرياح، حدیث نمبر 2187، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 525

الآلۃ کا معنی حالت ہے اور الآلۃ کا معنی چارپائی بھی ہے جس پر میت کو اٹھایا جاتا ہے۔ اس تاویل کی بنا پر یہ کہا جائے گا کہ ان کلمات میں سے ہے جن میں قلب کا قاعدہ جاری ہوا گویا کہا گیا: اویل پھر حرف علت کو موخر کیا گیا معنی ہے تیرے لیے زندہ ہونے کی صورت میں ہلاکت ہے، تیرے لیے مردہ ہونے کی صورت میں ہلاکت ہے جس روز تو جہنم میں داخل ہو۔ یہ جانے کے وقت ہلاکت ہے اور تیرے لیے اس روز ہلاکت ہے جس روز تو جہنم میں داخل ہو۔ یہ تکرار اسی طرح ہے جس طرح کسی نے کہا:

لَکَ الْوَیْلَاتُ إِنَّکَ مُرْجِلِی　تیرے لیے پے در پے ہلاکتیں ہوں تو مجھے آزاد چھوڑنے والا ہے۔

مراد یہ ہے لک الویل ثم الویل ثم الویل۔ یعنی تیرے لیے ہلاکت، پھر ہلاکت اور پھر ہلاکت ہے۔ یہ قول ضعیف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تیری مذمت اس کے ترک کرنے سے بہتر ہے۔ مگر کثرت استعمال کی وجہ سے اسے حذف کر دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصمعی نے کہا کلام عرب میں اَوْلٰی کا لفظ ہلاکت کے قریب ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے گویا وہ کہتا ہے: تو ہلاکت کے قریب ہو گیا۔ یہ ولی سے ماخوذ ہے جس کا معنی قرب ہے۔ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ (توبہ:123) اے ایمان والو! ان کفار سے تم جنگ کرو جو تمہارے قریب رہتے ہیں۔ اصمعی نے یہ مصرعہ پڑھا: وأولی أن یکون له الولاء قریب ہے کہ اس کے لیے حکومت ہو۔ اور اس نے یہ مصرعہ بھی پڑھا: أَوْلٰی لمن هاجت له أن یکمد جس کے دل کا مرض جوش مارنے لگا اس کی ہلاکت کا وقت قریب ہو گیا۔ ابو العباس ثعلب، اصمعی کے قول کی تحسین کرتا وہ کہتا: کوئی آدمی اصمعی کی وضاحت جیسی وضاحت نہیں کرتا۔ نحاس نے کہا: عرب کہتے ہیں اَوْلٰی لَکَ۔ قریب تھا کہ تو ہلاک ہو جاتا پھر تو بچ گیا گویا تقدیر کلام یوں ہے أولی لك وأولی لك الهلاکة۔ مہدوی نے کہا: تقدیر کلام یہ نہ ہوگی ولا تکون أَوْلٰی۔ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی۔ گویا یہ کہا: الوعید أولی له من غیرہ کیونکہ ابو زید نے بیان کیا اولاۃ الآن۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ دھمکی دیں۔ علامت تانیث کا اس پر داخل کرنا اس امر پر دلیل ہے کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ لَکَ خبر ہے اَوْلٰی مبتدا ہے اَوْلٰی غیر منصرف ہے کیونکہ یہ وعید کا علم (نام) ہو چکا ہے یہ اس طرح ہے جس طرح کسی کا نام احمد ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تکرار اس معنی کی بنا پر ہے میں تجھ پر تیرے پہلے برے عمل، دوسرے، تیسرے اور چوتھے پر لازم کرتا ہوں جس طرح یہ پہلے گزر چکا ہے۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

"کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ (ابتدا میں) منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا تھا پھر وہ اس سے لوتھڑا بنا پھر الله تعالیٰ نے اسے بنایا اور اعضاء درست کیے پھر اس سے دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت کیا وہ اتنی (قدرت والا) اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو پھر زندہ کرے"۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا نہ اسے حکم دیا جائے گا نہ اسے نہی کی جائے گی؛ یہ ابن زید اور مجاہد نے کہا: اسی سے ابل سدی ہے جو اونٹ چرواہے کے بغیر چرتے رہتے ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے قبر میں ہمیشہ کے لیے اس طرح چھوڑا جائے گا اسے دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا؛ شاعر نے کہا:

فَأُقْسِمُ باللهِ جهدَ الْيَمِينِ　ما تَرَكَ اللهُ شيئاً سُدى

میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھاتا ہوں! اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو مہمل نہیں چھوڑا۔

اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ پانی کا قطرہ جسے رحم میں ٹپکا یا جاتا ہے۔ منیٰ کو منیٰ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہاں جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ نطفہ کا معنی تھوڑا پانی ہے۔ کہتے ہیں: نطف الماء جب وہ قطرہ قطرہ گرے کیا وہ مرد کی پشت اور عورت کی سینے کی ہڈیوں میں قلیل پانی نہ تھا؟ حفص نے اسے مَنِیٍّ یُّمْنٰى پڑھا ہے۔ ابن محیصن، مجاہد، یعقوب اور عیاش نے ابو عمرو سے یہی روایت نقل کی ہے۔ ابو عبید نے لفظ مَنِیّ کی وجہ سے یاء کے ساتھ قراءت کو اختیار کیا ہے جب کہ باقی قراء نے لفظ نطفہ کی وجہ سے تمنی پڑھا ہے؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ نطفہ کے بعد وہ خون تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بے قدری کو بیان کرنے کے لیے ان چیزوں کا یکے بعد دیگرے ذکر کیا پھر اندازہ لگایا اور اس میں روح رکھ کر مناسب اور موزوں بنا دیا پھر اس انسان سے مرد اور عورت بنائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منہ کی ضمیر سے مراد منی ہے۔ جس نے خلق کو ساقط کرنے کی رائے قائم کی ہے اس نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ آیت اور اس جیسی آیات غالب طریقہ کے اعتبار سے ہیں۔ سورۃ النساء میں بھی اس بارے میں قول گزر چکا ہے۔ میراث والی آیت میں اس کا حکم گزر چکا ہے اس کے دوبارہ اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ کیا وہ ذات پاک جس نے پانی کے ایک قطرہ سے اس انسان کو پیدا کیا ہے وہ ان اجسام کے بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر قادر نہیں۔ رسول اللہ سے یہ روایت مروی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت کرتے تو زبان سے یہ کلمات پڑھتے: سبحانك اللهم بلیٰ اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے کیوں نہیں تو ایسا کرنے پر قادر ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: جو سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿۱﴾ کی قراءت کرے وہ امام ہو یا کوئی اور تو وہ یہ کہے: سبحان ربی الاعلی اور جو سورۃ القیامہ کی تلاوت کرے وہ امام ہو یا کوئی اور تو وہ سبحانك اللهم بلیٰ کہے: ثعلبی نے یہ ابو اسحاق سبیعی سے روایت نقل کی ہے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 528